مقالات

# اسلامی حکومت میں ذمیوں کے حقوق

حال میں پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے ایک سوال نامہ جاری کیا ہے جس میں اس مسئلے پر استصواب کیا گیا ہے کہ پاکستان کی مرکزی اور صوبائی حکومتوں میں اقلیتوں کے حقوق کیا ہونے چاہئیں۔ ہمیں نہیں معلوم کہ اسمبلی کے کام کا خاکہ جن لوگوں نے مرتب کیا ہے ان کے پیش نظر کیا ترتیب کار ہے۔ لیکن بادی النظر میں یہ بات بالکل عجیب معلوم ہوتی ہے کہ ابھی تک اسمبلی نے اپنے مقاصد (Objectives) تو متعین نہیں کئے ہیں اور پہلے ہی یہ سوالات چھیڑنے شروع کر دئے ہیں کہ ریاست کے دستور میں اقلیتوں کے حقوق کیا ہوں اور شہریوں کے بنیادی حقوق کیا قرار پائیں حالانکہ سب سے پہلے جو چیز طے کرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ ہماری زیر تشکیل ریاست کی نوعیت کیا ہوگی۔ اسی سوال کے تصفیہ پر دوسرے سوالات کا تصفیہ منحصر ہے۔ اگر اس ریاست کو ایک اسلامی ریاست ہونا ہے تو لامحالہ غیر مسلموں کے حقوق اور شہریوں کے بنیادی حقوق اور دوسرے تمام اُمور میں ہم کو اسلامی شریعت کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ اور اگر اسے ایک "بے دین جمہوری قومی ریاست" بننا ہے تو پھر یہ سارے مسائل کسی اور بنیاد پر حل کئے جائیں گے۔ لہٰذا نوعیتِ ریاست کا تعین کرنے سے پہلے اِن ثانوی مسائل کے تصفیہ سے کام کی ابتدا کرنا ایک غلط ترتیب کار ہے اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے تعمیر مکان کی ابتدا، دوسری منزل سے کی جائے۔

تاہم چونکہ یہ مسئلہ چھڑ گیا ہے اس لئے ہم یہ بتانا مناسب سمجھتے ہیں کہ ایک اسلامی ریاست میں غیر مسلم شہریوں کے حقوق کیا ہیں اور اسلام کے اصول پر زیادہ سے زیادہ کیا ہو سکتے ہیں۔

اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے حقوق پر بحث کرنے سے پہلے یہ ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ اسلام کی حکومت دراصل ایک اصولی (Ideological) حکومت ہے اور اس کی نوعیت ایک قومی جمہوری (National democratic) حکومت سے قطعاً مختلف ہے۔ دونوں قسم کی ریاستوں کے اس نوعی فرق کا مسئلۂ زیر بحث پر کیا اثر پڑتا ہے۔ اس کو حسب ذیل نکات سے اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے:۔

(۱) اسلامی حکومت اپنے حدود میں رہنے والے لوگوں کو اس لحاظ سے تقسیم کرتی ہے کہ کون ان اصولوں کو مانتے ہیں جن پر حکومت کی بنا رکھی گئی ہے اور کون انہیں نہیں مانتے یعنی مسلم اور غیر مسلم۔

(۱) قومی حکومت انہیں اس لحاظ سے تقسیم کرتی ہے کہ کون لوگ اس قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو دراصل ریاست کی بنانے اور چلانے والی ہے، اور کون لوگ اس سے تعلق نہیں رکھتے۔ آج کل کی اصطلاح میں اس کے لئے اکثریت اور اقلیت کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔

(۲) اسلامی حکومت کو چلانا دراصل ان لوگوں کا کام ہوتا ہے جو اس کے اصولوں کو مانتے ہوں۔ وہ اپنے انتظام میں غیر مسلموں کی خدمات تو ضرور استعمال کر سکتی ہے، مگر رہنمائی و کارفرمائی کے مناصب انہیں نہیں دے سکتی۔

(۲) قومی حکومت اپنی رہنمائی و کارفرمائی کے لئے صرف اپنے افراد قوم ہی پر اعتماد کرتی ہے اور دوسری قلیل التعداد قومیں جو اس کے شہریوں میں شامل ہوں، اس اعتماد کی مستحق نہیں ہوتیں۔ یہ بات چاہے صاف صاف کہی نہ جاتی ہو، مگر عملاً ہوتا اسی طرح ہے۔ اور اگر اقلیت کے کسی فرد کو کبھی کوئی کلیدی منصب

دیا بھی جاتا ہے تو یہ محض ایک نمائشی حرکت ہوتی ہے۔ پالیسیوں کی تشکیل میں فی الحقیقت اس کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

(۳) اسلامی حکومت عین اپنی نوعیت ہی کے لحاظ سے اس بات پر مجبور ہے کہ مسلموں اور غیر مسلموں کے درمیان واضح امتیاز قائم کرے اور صاف صاف بتادے کہ وہ غیر مسلموں کو کیا حقوق دے سکتی ہے اور کیا نہیں دے سکتی۔

(۳) قومی حکومت کے لئے یہ منافقانہ چالبازی آسان ہے کہ وہ ملک کے تمام باشندوں کو نظری حیثیت سے ایک قوم قرار دیکر کاغذ پر سب کو مساوی حقوق دیدے، مگر عملاً اکثریت اور اقلیت کا پورا امتیاز قائم رکھے اور زمین پر اقلیتوں کو کسی قسم کے حقوق نہ دے

(۴) اسلامی حکومت کو اپنے نظام کے اندر غیر مسلم عناصر کی موجودگی سے جو پیچیدگی پیش آتی ہے اسے وہ اس طرح حل کرتی ہے کہ انہیں متعین حقوق کا ذمہ (Guarantee) دیکر مطمئن کردیتی ہے، اپنے اصولی نظام کے حل وعقد میں ان کی مداخلت روک دیتی ہے، اور ان کے لئے ہر وقت یہ دروازہ کھلا رکھتی ہے کہ اگر اسلام کے اصول انہیں پسند آجائیں تو وہ انہیں قبول کرکے حکمراں جماعت میں شامل ہوجائیں

(۴) قومی حکومت کو اپنے نظام میں غیر قومی عناصر کی شمولیت سے جو پیچیدگی پیش آتی ہے اسے حل کرنے کے لئے وہ تین مختلف تدبیریں اختیار کرتی ہے۔ ایک یہ کہ ان کی انفرادیت کو بتدریج مٹا کر اپنے اندر جذب کرلے۔ دوسرے یہ کہ ان کی ہستی کو محو کرنے کے لئے قتل و غارت اور اخراج کے ظالمانہ طریقے اختیار کرے تیسرے یہ کہ ان کو اپنے اندر اچھوت بنا کر رکھ دے۔ یہ تینوں تدبیریں دنیا کی قومی جمہوری ریاستوں میں بکثرت اختیار کی گئی ہیں، اب تک کی جارہی ہیں، اور آج ہندوستان میں خود مسلمانوں کو ان کا تلخ تجربہ

(۵) اسلامی حکومت ذمی غیر مسلموں کو وہ تمام حقوق دینے پر مجبور ہے جو شریعت نے ان کے لئے مقرر کئے ہیں۔ ان حقوق کو سلب کرنے یا ان میں کمی کر دینے کا اختیار کسی کو نہیں ہے البتہ مسلمانوں کو یہ اختیار ضرور حاصل ہے کہ وہ ان حقوق کے علاوہ کچھ مزید حقوق انھیں عطا کریں بشرطیکہ یہ اضافہ اسلام کے اصولوں سے متصادم نہ ہوتا ہو۔

ہو رہا ہے۔

(۵) قومی جمہوری حکومت میں اقلیتوں کو جو حقوق بھی دئے جاتے ہیں وہ اکثریت کے عطا کردہ ہوتے ہیں، اور اکثریت جس طرح انھیں عطا کرنے کا حق رکھتی ہے اسی طرح وہ ان میں کمی بیشی کرنے اور بالکل سلب کر لینے کا بھی حق رکھتی ہے۔ پس درحقیقت اس نظام میں اقلیتیں سراسر اکثریت کے رحم پر جیتی ہیں اور اُن کے لئے ابتدائی انسانی حقوق تک کی کوئی پائدار ضمانت نہیں ہوتی۔

یہ بنیادی اختلافات ہیں جو ذمیوں کے ساتھ اسلام کے سلوک اور اقلیتوں کے ساتھ قومی جمہوریتوں کے سلوک کو ایک دوسرے سے بالکل ممتاز کر دیتے ہیں۔ جب تک انہیں پیش نظر نہ رکھا جائے، انسان غلط مبحث سے نہیں بچ سکتا اور نہ اِس غلط فہمی سے محفوظ رہ سکتا ہے کہ موجودہ زمانے کی قومی جمہوریتیں کاغذ پر اپنے دستوروں میں اقلیتوں کو بالکل مساویانہ حقوق دیتی ہیں۔

اِن ضروری توضیحات کے بعد اب ہم اپنے اصل موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں

**غیر مسلم رعایا کی اقسام** اسلامی قانون اپنی غیر مسلم رعایا کو تین اقسام پر تقسیم کرتا ہے۔

ایک وہ جو کسی صلح نامے یا معاہدے کے ذریعے سے اسلامی حکومت کے تحت آئے ہوں،

دوسرے وہ جو لڑنے کے بعد شکست کھا کر مغلوب ہوئے ہوں،

تیسرے وہ جو جنگ اور صلح دونوں کے سوا کسی اور صورت سے اسلامی ریاست میں شامل ہوئے ہوں

یہ تینوں اگرچہ ذمیوں کے عام حقوق میں یکساں شریک ہیں، لیکن پہلے دونوں گروہوں کے احکام

میں تھوڑا سا فرق بھی ہے۔ اس لئے اہل الذمہ کے عام حقوق کی تفصیلات بیان کرنے سے پہلے ہم ان مخصوص گروہوں کے جدا جدا احکام بیان کریں گے۔

**معاہدین** جو لوگ جنگ کے بغیر یا دوران جنگ میں اطاعت قبول کرنے پر راضی ہو جائیں اور حکومت اسلامی سے مخصوص شرائط طے کرلیں ان کے لئے اسلام کا قانون یہ ہے کہ ان کے ساتھ تمام معاملات ان شرائط صلح کے تابع ہوں گے جو ان سے طے ہوئی ہیں۔ دشمن کو اطاعت پر آمادہ کرنے کے لئے چند فیاضانہ شرائط طے کرلینا اور پھر جب وہ پوری طرح قابو میں آجائے تو اس کے ساتھ مختلف برتاؤ کرنا آج کل کی مہذب قوموں کے سیاسی معمولات میں سے ہے، مگر اسلام اس کو ناجائز بلکہ حرام اور گناہ عظیم قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ جب کسی قوم کے ساتھ کچھ شرائط طے ہو جائیں (خواہ وہ مرغوب ہوں یا نہ ہوں) تو اس کے بعد ان شرائط سے یک سر مو بھی تجاوز نہ کیا جائے، بلا لحاظ اس کے کہ فریقین کی اعتباری حیثیت اور طاقت و قوت (Relative Position) میں کتنا ہی فرق آجائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

لعلکم تقاتلون قوماً فتظہرون علیہم فیتقونکم باموالہم دون انفسہم و ابنائہم (وفی روایۃ فیصالحونکم علی صلح) فلا تصیبوا منہم فوق ذلک فانہ لا یصلح لکم[۱]

اگر تم کسی قوم سے لڑو اور اس پر غالب آجاؤ اور وہ قوم اپنی اور اپنی اولاد کی جان بچانے کے لئے تم کو خراج دینا منظور کرلے (ایک دوسری حدیث میں ہے کہ تم سے صلح نامہ طے کرلے) تو پھر بعد میں اس مقررہ خراج سے ایک حبہ بھی زائد نہ لینا کیونکہ وہ تمہارے لئے ناجائز ہوگا

ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا:-

الا من ظلم معاھداً او انتقصہ او کلفہ فوق طاقتہ او اخذ منہ شیئاً بغیر

خبردار! جو شخص کسی معاہد پر ظلم کرے گا یا اس کے حقوق میں کمی کرے گا یا اس کی طاقت سے زیادہ

[۱] ابوداؤد کتاب الجہاد

طیب نفس فانا حجیجہ یوم القیامۃ[1] | اس پر بار ڈالیگا، یا اس سے کوئی چیز اس کی مرضی کے خلاف وصول کرے گا، اس کے خلاف قیامت کے دن میں خود مستغیث بنونگا،

ان دونوں حدیثوں کے الفاظ عام ہیں اور ان سے یہ قاعدہ کلیہ مستنبط ہوتا ہے کہ معاہد ذمیوں کے ساتھ صلحنامہ میں جو شرائط طے ہوجائیں ان میں کسی قسم کی کمی یا زیادتی کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ نہ ان پر خراج بڑھایا جاسکتا ہے، نہ ان کی زمینوں پر قبضہ کیا جاسکتا ہے، نہ ان کی عمارتیں چھینی جاسکتی ہیں، نہ ان پر سخت فوجداری قوانین نافذ کئے جاسکتے ہیں، نہ ان کے مذہب میں دخل دیا جاسکتا ہے، نہ ان کی عزت و آبرو پر حملہ کیا جاسکتا ہے اور نہ کوئی ایسا فعل کیا جاسکتا ہے جو ظلم یا انتقاص، یا تکلیف مالا یطاق، یا اخذ بغیر طیب نفس کی حد میں آتا ہو۔ انہی احکام کی بنا پر فقہائے اسلام نے صلحاً فتح ہونے والی قوموں کے متعلق کسی قسم کے قوانین مدون نہیں کئے ہیں اور صرف یہ عام قاعدہ وضع کرکے چھوڑدیا ہے کہ ان کے ساتھ ہمارا معاملہ بالکل شرائط صلح کے مطابق ہوگا۔ امام ابو یوسف لکھتے ہیں:۔

یوخذ منھم ما صولحوا علیہ ویوفی لھم ولا یزاد علیھم[2] | ان سے وہی لیا جائیگا جس پر ان کے ساتھ صلح ہوئی ہے، ان کے حق میں صلح کی شرائط پوری کی جائیں گی، اور ان پر کچھ اضافہ نہ کیا جائیگا

**مفتوحین** | دوسری قسم میں وہ لوگ شامل ہیں جو آخر وقت تک مسلمانوں سے لڑتے رہے ہوں اور جنھوں نے اس وقت ہتھیار ڈالے ہوں جب اسلامی فوجیں ان کے استحکامات کو توڑ کر ان کی بستیوں میں فاتحانہ داخل ہوچکی ہوں۔ اس قسم کے مفتوحین کو جب ذمی بنایا جاتا ہے۔ تو ان کو چند خاص حقوق دئے جاتے ہیں، جن کی تفصیلات فقہی کتابوں میں موجود ہیں۔ ذیل میں ان احکام کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے جن سے ذمیوں کی اس جماعت کی آئینی حیثیت واضح ہوتی ہے:

[1] ابوداؤد، کتاب الجہاد
[2] کتاب الخراج صفحہ ۳۵

(۱) جب امام اُن سے جزیہ قبول کرلے تو ہمیشہ کے لئے عقد ذمہ قائم ہو جائیگا، اور ان کی جان و مال کی حفاظت کرنا مسلمانوں پر فرض ہوگا کیونکہ قبول جزیہ کے ساتھ ہی عصمت نفس و مال ثابت ہو جاتی ہے[۱]۔ اس کے بعد امام کو یا مسلمانوں کو یہ حق باقی نہیں رہتا کہ ان کی املاک پر قبضہ کریں یا انھیں غلام بنالیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ کو صاف لکھا تھا کہ:۔

فاذا اخذت منهم الجزية فلا شئ لک عليهم ولا سبيل[۲]

جب تم ان سے جزیہ قبول کرلو تو پھر تم کو ان پر دست درازی کا کوئی حق باقی نہیں رہتا۔

(۲) عقد ذمہ قائم ہو جانے کے بعد اپنی زمینوں کے مالک وہی ہوں گے، ان کی ملکیت ان کے ورثہ کو منتقل ہوگی، اور ان کو اپنے املاک میں بیع، ہبہ، رہن وغیرہ کے حقوق حاصل ہوں گے[۳]۔ اسلامی حکومت کو انہیں بے دخل کرنے کا حق نہ ہوگا۔

(۳) جزیہ کی مقدار ان کی مالی حالت کے لحاظ سے متعین کی جائے گی۔ جو مالدار ہیں ان سے زیادہ، جو متوسط الحال ہیں ان سے کم، اور جو غریب ہیں اُن سے بہت کم لیا جائیگا۔ اور جو کوئی ذریعہ آمدنی نہیں رکھتے، یا جن کی زندگی کا انحصار دوسروں کی بخشش پر ہے، ان کو جزیہ معاف کردیا جائیگا۔ اگرچہ جزیہ کے لئے کوئی خاص رقم مقرر نہیں ہے، لیکن اس کی تعیین میں یہ امر مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ ایسی رقم مقرر کی جائے جس کا ادا کرنا ان کے لئے آسان ہو۔ حضرت عمرؓ نے مالداروں پر ایک روپیہ ماہانہ، متوسط الحال لوگوں پر آٹھ آنہ مہینہ اور غریب محنت پیشہ لوگوں پر چار آنہ مہینہ جزیہ مقرر کیا تھا[۴]۔

(۴) جزیہ صرف ان لوگوں پر لگایا جائیگا جو اہل قتال ہیں۔ غیر اہل قتال مثلاً بچے، عورتیں، دیوانے، اندھے، اپاہج، عبادت گاہوں کے خادم، راہب، سنیاسی، ازکار رفتہ بوڑھے، ایسے بیمار جن کی بیماری سال کے ایک بڑے حصہ تک ممتد ہو جائے، اور لونڈی غلام وغیرہ

۱ بدائع الصنائع ج ۷ ص ۱۱۱
۲ کتاب الخراج ص ۸۲
۳ فتح القدیر ج ۴ ص ۳۵۹
۴ کتاب الخراج ص ۳۶

جزیہ سے مستثنیٰ ہیں۔[۱]

۵۔ بزور شمشیر فتح ہونے والے شہر کے معابد پر مسلمانوں کو قبضہ کر لینے کا حق ہے۔ لیکن اس حق سے استفادہ نہ کرنا اور بطریق احسان ان کو علی حالہٖ قائم رہنے دینا اولیٰ و افضل ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جتنے ممالک فتح ہوئے ان میں کوئی معبد نہ توڑا گیا اور نہ اس سے کسی قسم کا تعرض کیا گیا۔ امام ابو یوسفؒ لکھتے ہیں:-

| | |
|---|---|
| ترکت علی حالہا ولم تہدم ولم یتعرض لہا۔[۲] | ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا، نہ مسمار کیا گیا اور نہ ان سے کسی قسم کا تعرض کیا گیا۔ |

قدیم معابد کو مسمار کرنا بہر حال ناجائز ہے۔[۳]

**ذمیوں کے عام حقوق** | اب ہم ذمیوں کے وہ حقوق بیان کریں گے جن میں تینوں اقسام کے اہل الذمہ شریک ہیں۔

**حفاظت جان** | ذمی کے خون کی قیمت مسلمان کے خون کے برابر ہے۔ اگر کوئی مسلمان ذمی کو قتل کرے گا تو اس کا قصاص اسی طرح لیا جائیگا جس طرح مسلمان کو قتل کرنے کی صورت میں لیا جاتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کیا تو آپ نے اس کے قتل کا حکم دیا اور فرمایا کہ:-

| | |
|---|---|
| انا احق من وفی بذمتہ۔[۴] | اس کے ذمہ کو وفا کرنے کا سب سے زیادہ حقدار میں ہوں۔ |

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک ذمی کو قتل کر دیا۔

---

[۱] بدائع ج ۷، ص ۱۱۱ - ۱۱۲، فتح القدیر ج ۴ ص ۳۷۰ - ۳۷۲، کتاب الخراج ص ۷۰۔

[۲] کتاب الخراج ص ۸۳ [۳] بدائع جلد ۷، ص ۱۱۴

[۴] عنایہ شرح ہدایہ ج ۸ ص ۲۵۶، دارقطنی نے یہی حدیث ابن عمرؓ کے حوالہ سے نقل کی ہے اور اس میں "انا اکرم من وفی بذمتہ" آیا ہے۔

اس پر آپ نے حکم دیا کہ قاتل کو مقتول کے حوالہ کیا جائے۔ چنانچہ وہ مقتول کے وارثوں کو دیدیا گیا اور انھوں نے اس کو قتل کر دیا[1]

حضرت عثمان کے زمانہ میں خود عبیداللہ بن عمر رض کے قتل کا فتویٰ دیدیا گیا تھا کیونکہ انھوں نے ہرمزان اور ابولولو کی بیٹی کو اس شبہ میں قتل کر دیا تھا کہ شاید وہ حضرت عمر رض کے قتل کی سازش میں شریک تھے۔

حضرت علی رض کے زمانہ میں ایک مسلمان ایک ذمی کے قتل میں ماخوذ ہوا۔ ثبوت مکمل ہونے کے بعد آپ نے قصاص کا حکم دے دیا۔ مقتول کے بھائی نے آکر عرض کیا میں نے خون معاف کیا۔ مگر آپ مطمئن نہ ہوئے اور فرمایا:-

لعلهم فزعوك او هددوك — شاید ان لوگوں نے تجھے ڈرایا دھمکایا ہے۔

اس نے جواب دیا کہ "نہیں۔ مجھے خون بہا مل چکا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کے قتل سے میرا بھائی واپس نہیں آجائیگا" تب آپ نے قاتل کو رہا کیا اور فرمایا کہ:-

من كان له ذمتنا فدمه كدمنا وديته كديتنا — "جو کوئی ہمارا ذمی ہو اس کا خون ہمارے خون کی طرح اور اس کی دیت ہماری دیت کی طرح ہے"[2]

ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت علی نے فرمایا:-

انما قبلوا عقد الذمة لتكون اموالهم كاموالنا ودماؤهم كدمائنا — انھوں نے عقد ذمہ قبول ہی اس لئے کیا ہے کہ ان کے مال ہمارے مال کی طرح اور ان کے خون ہمارے خون کی طرح ہو جائیں۔

اسی بنا پر فقہا نے یہ جزئیہ نکالا ہے کہ اگر مسلمان کسی ذمی کو بلا ارادہ قتل کرے تو اس کی دیت بھی وہی ہوگی جو مسلمان کو خطاءً قتل کرنے سے لازم آتی ہے۔[3]

---

[1] برہان شرح مواہب الرحمٰن ج ۳ ص ۲۸۷ [2] برہان جلد ۲ ص ۲۸۲

[3] درمختار ج ۳ ص ۲۰۳

**فوجداری قانون** تعزیرات کا قانون ذمی اور مسلمان کے لئے یکساں ہے اور اس میں دونوں کا درجہ مساوی ہے۔ جرائم کی جو سزا مسلمان کو دی جائے گی وہی ذمی کو بھی دی جائے گی۔ ذمی کا مال مسلمان چرالے یا مسلمان کا مال ذمی چرائے، دونوں صورتوں میں سارق کا ہاتھ کاٹا جائیگا۔ ذمی کسی مرد یا عورت پر زنا کی تہمت لگائے یا مسلمان ایسا کرے، دونوں صورتوں میں ایک ہی حد قذف جاری ہوگی۔ اسی طرح زنا کی سزا بھی ذمی اور مسلمان کے لئے یکساں ہے۔ البتہ شراب کے معاملہ میں ذمیوں کے لئے استثنا ہے[1]۔

**دیوانی قانون** دیوانی قانون بھی ذمی اور مسلمان کے لئے یکساں ہے اور دونوں کے درمیان کامل مساوات ہے۔ حضرت علیؓ کے ارشاد اموالھم کاموالنا کے معنی یہی ہیں کہ ان کے مال کی ویسی ہی حفاظت کی جائے گی جیسی مسلمان کے مال کی ہوتی ہے اور دیوانی حقوق ہمارے اور ان کے برابر ہوں گے۔ اس مساوات کا طبیعی لازمہ یہ ہے کہ دیوانی قانون کی رو سے جتنی پابندیاں مسلمان پر عائد ہوتی ہیں وہی سب ذمی پر بھی عائد ہوں۔

تجارت کے جو طریقے ہمارے لئے ممنوع ہیں وہی ان کے لئے بھی ہیں۔ سود جس طرح ہمارے لئے حرام ہے اسی طرح ان کے لئے بھی ہے۔ البتہ ذمیوں کے لئے صرف شراب اور سور کا استثنا ہے۔ وہ شراب بنانے، پینے اور بیچنے کا حق رکھتے ہیں، اور انھیں سور پالنے کھانے اور فروخت کرنے کے بھی حقوق حاصل ہیں[2]۔ اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کی شراب یا اس کے سور کو تلف کردے تو اس پر تاوان لازم آئے گا۔ درالمختار میں ہے:۔

---

[1] کتاب الخراج ص ۲۰۸ - ۲۰۹ - المبسوط ج ۹ ص ۵۷ - ۵۸۔ امام مالک کے نزدیک ذمی کے لئے شراب کی طرح زنا کے معاملہ میں بھی استثنا ہے۔ وہ حضرت علی اور حضرت عمر کے اس فیصلہ سے استدلال کرتے ہیں کہ ذمی اگر زنا کرے تو اس کا معاملہ اس کے اہل ملت پر چھوڑ دیا جائے (یعنی اس کے پرسنل لا کے مطابق عمل کیا جائے)

[2] المبسوط ج ۱۳ ص ۳۷ - ۳۸ -

ویضمن المسلم قیمۃ خمرہٖ وخنزیرہ اذا اتلفہ[۱] — مسلمان اس کی شراب اور اس کے سور کی قیمت ادا کرے گا اگر وہ اسے تلف کر دے

**تحفظ عزت** ذمی کو زبان یا ہاتھ پاؤں سے تکلیف پہنچانا، اس کو گالی دینا، مارنا پیٹنا، یا اس کی غیبت کرنا اسی طرح ناجائز ہے جس طرح مسلمان کے حق میں یہ افعال ناجائز ہیں۔ در المختار میں ہے:-

ویجب کف الاذیٰ عنہ وتحرم غیبتہ کالمسلم[۲] — اس کو تکلیف دینے سے باز رہنا واجب ہے اور اس کی غیبت اسی طرح حرام ہے جیسی مسلم کی غیبت حرام ہے۔

**ذمہ کی پائداری** عقد ذمہ مسلمانوں کی جانب ابدی لزوم رکھتا ہے یعنی وہ اسے باندھنے کے بعد پھر توڑ دینے کے مختار نہیں ہیں۔ لیکن دوسری جانب ذمیوں کو اختیار ہے کہ جب تک چاہیں اس پر قائم رہیں اور جب چاہیں توڑ دیں۔ بدائع میں ہے:-

واما صفۃ العقد فھو لازم فی حقنا لایملک المسلمون نقضہ بحالٍ من الاحوال واما فی حقھم فغیر لازم[۳] — عقد ذمہ ہمارے حق میں تو لازم ہے یعنی ایک مرتبہ ذمی بنا لینے کے بعد ہم اس ذمہ کو کسی حال میں توڑ نہیں سکتے۔ لیکن ان کے لئے یہ لازم نہیں ہے (یعنی اگر وہ ہمارے ذمہ سے خارج ہونا چاہیں تو ہو سکتے ہیں)

ذمی خواہ کیسے ہی بڑے جرم کا ارتکاب کرے، اس کا ذمہ نہیں ٹوٹتا حتیٰ کہ جزیہ بند کر دینا، مسلمان کو قتل کرنا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنا، یا کسی مسلمان عورت کی آبرو ریزی کرنا بھی اس کے حق میں ناقضِ ذمہ نہیں ہے۔ ان افعال پر اسے مجرم کی حیثیت سے

---

[۱] در المختار ج ۳ ص ۲۷۳

[۲] در المختار جلد ۳ ص ۲۷۴ - ۲۷۳ -

[۳] در المختار ج ۷ ص ۱۱۲

سزا دی جائیگی، لیکن باغی قرار دے کر ذمہ سے خارج نہیں کر دیا جائیگا۔ البتہ صرف دو صورتیں ایسی ہیں جن میں ایک ذمی خارج از ذمہ ہو جاتا ہے۔ ایک یہ کہ وہ دارالاسلام کو چھوڑ کر دشمنوں سے جا ملے۔ دوسرے یہ کہ حکومت اسلامی کے خلاف صریح بغاوت کر کے فتنہ و فساد برپا کرے [۱]

**شخصی معاملات** Personal law ذمیوں کے شخصی معاملات ان کی اپنی ملت کے قانون کے مطابق طے کئے جائیں گے۔ اسلامی قانون ان پر نافذ نہیں کیا جائیگا۔ ہمارے لئے شخصی معاملات میں جو کچھ ناجائز ہے، وہ اگر ان کے مذہبی و قومی قانون میں جائز ہو تو اسلامی عدالت ان کے قانون ہی کے مطابق فیصلہ کریگی۔ مثلاً بغیر گواہوں کے نکاح، یا بلا مہر کے نکاح، یا زمانۂ عدت کے اندر نکاح ثانی، یا محرمات کے ساتھ نکاح اگر وہ جائز رکھتے ہوں تو ان کے لئے یہ سب افعال جائز رکھے جائیں گے۔ خلفاء راشدین اور ان کے بعد کے تمام ادوار میں اسلامی حکومتوں کا اسی پر عمل رہا ہے۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے اس معاملہ میں حضرت حسن بصری سے فتویٰ طلب کیا تھا کہ:-

ما بال الخلفاء الراشدین ترکوا اهل الذمة وما هم علیه من نکاح المحارم واقتناء الخمور والخنازیر؟

کیا بات ہے کہ خلفاء راشدین نے ذمیوں کو محرمات کے ساتھ نکاح اور شراب اور سور کے معاملہ میں آزاد چھوڑ دیا ہے۔

جواب میں حضرت حسن نے لکھا:-

انما بذلوا الجزیة لیترکوا وما یعتقدون وانما انت متبع ولا مبتدع والسلام

انھوں نے جزیہ دینا اسی لئے تو قبول کیا ہے کہ انہیں ان کے عقیدے کے مطابق زندگی بسر کرنے کی آزادی دیجائے۔ آپ کا کام پچھلے طریقہ کی پیروی کرنا ہے نہ کہ کوئی نیا طریقہ ایجاد کرنا۔

البتہ اگر کسی مقدمہ میں فریقین خود اسلامی عدالت سے درخواست کریں کہ شریعت اسلام

---

[۱] بدائع ج ۷ ص ۱۱۳ - فتح القدیر ج ۴ ص ۸۲ - ۳۸۱

کے مطابق ان کا فیصلہ کیا جائے، تو عدالت ان پر اسلامی شریعت نافذ کریگی۔ نیز اگر شخصی قانون سے تعلق رکھنے والے کسی معاملہ میں ایک فریق مسلمان ہو تو بھی فیصلہ اسلامی شریعت کے مطابق ہوگا مثلاً کوئی عیسائی عورت کسی مسلمان کے نکاح میں تھی اور اس کا شوہر مر گیا، تو اس عورت کو شریعت کے مطابق پوری عدت وفات گزارنی ہوگی۔ عدت کے اندر وہ نکاح کریگی تو ایسا نکاح باطل ہوگا[1]

**مذہبی مراسم** مذہبی مراسم اور قومی شعائر کو پبلک میں اعلان و اظہار کے ساتھ ادا کرنے کے متعلق اسلامی قانون یہ ہے کہ اہل الذمہ خود اپنی بستیوں میں تو ان کو پوری آزادی کے ساتھ کر سکیں گے البتہ خالص اسلامی آبادیوں[2] میں حکومت اسلامی کو اختیار ہوگا کہ ان میں آزادی دے یا ان پر کسی قسم کی پابندیاں عائد کر دے۔ بدائع میں ہے:۔

لا يمنعون من اظهار شيء مما ذكرنا من بيع الخمر والخنزير والصليب وضرب الناقوس في قرية او موضع ليس من امصار المسلمين ولو كان فيه عدد كثير من اهل الاسلام۔ وانما يكره ذالك في امصار المسلمين وهي التي يقام فيها الجمع والاعياد والحدود ......... واما اظهار فسق يعتقدون حرمته كالزنا وسائر الفواحش التي حرام في دينهم فانهم يمنعون من ذلك سواء كانوا

جو بستیاں امصار مسلمین میں سے ہی نہیں ہیں ان میں ذمیوں کو شراب و خنزیر بیچنے اور صلیب نکالنے اور ناقوس بجانے سے نہیں روکا جائیگا خواہ وہاں مسلمانوں کی کتنی ہی کثیر تعداد آباد ہو۔ البتہ یہ افعال امصار مسلمین میں ناپسندیدہ ہیں یعنی ان شہروں میں جنہیں جمعہ و عیدین اور اقامت حدود کے لیے مخصوص کیا گیا ہو......... رہا وہ فسق جس کی حرمت کے خود وہ بھی قائل ہیں مثلاً زنا اور دوسرے تمام فواحش جو ان کے دین میں حرام ہیں، تو اس کے اظہار سے ان کو ہر حال میں روکا

---

[1] المبسوط ج ۵ ص ۳۸ - ۴۱

[2] خالص اسلامی آبادیوں سے مراد وہ مقامات ہیں جو اصطلاح شرع میں "امصار المسلمین" کہلاتے ہیں۔ اس لفظ کا اطلاق صرف اُن مقامات پر ہوتا ہے جن کی زمین مسلمانوں کی ملکیت ہو، اور جن کو مسلمانوں نے اظہار شعائر اسلام کیلئے مخصوص کر لیا ہو۔

في امصار المسلمين او في امصارهم [1] — جائیگا خواہ وہ امصار مسلمین میں ہوں یا خود اپنے امصار میں

لیکن امصار مسلمین میں بھی ان کو صرف صلیبوں اور مورتیوں کے جلوس نکالنے اور علانیہ ناقوس بجاتے ہوئے بازاروں میں نکلنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ ورنہ اپنے قدیم معابد کے اندر رہ کر وہ تمام شعائر کا اظہار کر سکتے ہیں حکومت اسلامیہ اس میں دخل نہ دیگی۔ [2]

عبادت گاہیں: امصار مسلمین میں ذمیوں کے جو قدیم معابد ہوں ان سے تعرض نہیں کیا جا سکتا۔ اگر وہ ٹوٹ جائیں تو انہیں اسی جگہ دوبارہ بنا لینے کا حق ہے۔ لیکن نئے معابد بنانے کا حق نہیں ہے۔ رہے وہ مقامات جو امصار مسلمین نہیں ہیں تو ان میں ذمیوں کو نئے معابد بنانے کی بھی عام اجازت ہے۔ اسی طرح جو مقامات اب "مصر" نہ رہے ہوں یعنی امام نے ان کو ترک کر کے وہاں اقامت جمعہ و اعیاد اور اقامت حدود کا سلسلہ بند کر دیا ہو، ان میں بھی ذمیوں کو نئے معابد کی تعمیر اور اپنے شعائر کے اظہار کا حق حاصل ہے۔ [3]

ابن عباس کا فتویٰ یہ ہے:-

اما مصر مصرته العرب فليس لهم ان يحدثوا فيه بناء بيعة ولا كنيسة ولا يضربوا فيه بناقوس ولا يظهروا فيه خمرا ولا يتخذوا فيه خنزيرا وكل مصر كانت العجم مصرته ففتحه الله على العرب فنزلوا على حكمهم فللعجم ما في عهدهم وعلى العرب ان يوفوا لهم بذلك [4]

جن شہروں کو مسلمانوں نے آباد کیا ہے ان میں ذمیوں کو یہ حق نہیں ہے کہ نئے معابد اور کنائس تعمیر کریں یا ناقوس بجائیں یا علانیہ شراب اور سور کا گوشت بیچیں باقی رہے وہ شہر جو عجمیوں کے آباد کئے ہوئے ہیں اور جن کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ہاتھ پر فتح کیا اور انھوں نے مسلمانوں کے حکم کی اطاعت قبول کر لی تو عجم کے لئے وہی حقوق ہیں جو ان کے معاہدہ میں

[1] بدائع ج ۷ ص ۱۱۲ [2] شرح السیر الکبیر ج ۳ ص ۲۵۱

[3] بدائع جلد ۷ ص ۱۱۴۔ شرح السیر الکبیر ج ۲ ص ۲۵۱۔

[4] ایضاً ص ایضاً۔ شرح السیر الکبیر ج ۳ ص ۲۵۰۔ [5] کتاب الخراج ص ۸۸

طے ہو جائیں اور مسلمانوں پر ان کا ادا کرنا لازم ہے۔

**جزیہ و خراج کی تحصیل میں رعایات** | جزیہ و خراج کے معاملہ میں ذمیوں پر تشدد کرنا ممنوع ہے۔ ان کے ساتھ نرمی اور رفق کی تاکید کی گئی ہے اور ان پر ایسا بار ڈالنے سے منع کیا گیا ہے جسے اٹھانے کی ان میں قدرت نہ ہو۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا کہ لا یکلفوا فوق طاقتہم جتنا مال دینا ان کی طاقت سے باہر ہو اس کے ادا کرنے کی انہیں تکلیف نہ دی جائے[1]

جزیہ کے عوض ان کی املاک کا نیلام نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک عامل کو فرمان بھیجا تھا کہ لا تبیعن لھم فی خراجھم حمارًا ولا بقرۃ ولا کسوۃ شیئًا و لا صیفًا، خراج میں ان کا گدھا، ان کی گائے، ان کے کپڑے نہ بیچنا[2]۔ ایک اور موقع پر اپنے عامل کو بھیجتے وقت حضرت علی نے فرمایا:-

> ان کے جاڑے گرمی کے کپڑے اور ان کے کھانے کا سامان اور ان کے جانور جن سے وہ کھیتی باڑی کرتے ہیں خراج وصول کرنے کی خاطر ہرگز نہ بیچنا، نہ کسی کو درہم وصول کرنے کے لئے کوڑے مارنا، نہ کسی کو کھڑا رکھنے کی سزا دینا، نہ خراج کے عوض کسی چیز کا نیلام کرنا۔ کیونکہ ہم جو ان کے حاکم بنائے گئے ہیں تو ہمارا کام نرمی سے وصول کرنا ہے۔ اگر تم نے میرے حکم کے خلاف کیا تو اللہ میرے بجائے تم کو پکڑے گا اور اگر مجھے تمہاری خلاف ورزی کی خبر پہنچی تو میں تمہیں معزول کر دوں گا[3]۔

جزیہ کی تحصیل میں ان پر ہر قسم کی سختی کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے شام کے گورنر حضرت ابو عبیدہ رضؓ کو جو فرمان لکھا تھا اس میں منجملہ اور احکام کے ایک یہ بھی تھا کہ:-

وامنع المسلمین من ظلمھم والاضرار — مسلمانوں کو ان پر ظلم کرنے، اور انہیں ستانے

---

[1] کتاب الخراج ص ۸۰، ۸۲

[2] فتح البیان ج ۴ ص ۹۳

[3] کتاب الخراج ص ۹

بھم و اکل اموالھم الا بحلھا[۱] اور ناجائز طریقہ سے ان کے مال کھانے سے منع کرو

شام کے سفر میں حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ ان کے عامل جزیہ وصول کرنے کے لئے ذمیوں کو سزا دے رہے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ ان کو تکلیف نہ دو، اگر تم انھیں عذاب دوگے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دیگا۔ لا تعذب الناس فان الذین یعذبون الناس فی الدنیا یعذبھم اللہ یوم القیمۃ[۲]

ہشام بن حکم نے ایک سرکاری افسر کو دیکھا کہ وہ ایک قبطی کو جزیہ وصول کرنے کے لئے دھوپ میں کھڑا کر رہا ہے۔ اس پر انھوں نے ملامت کی اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہؐ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ:-

ان اللہ عز وجل یعذب الذین یعذبون الناس فی الدنیا[۳] اللہ عزوجل ان لوگوں کو عذاب دیگا جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں۔

فقہاء اسلام نے نادہندوں کے حق میں صرف اتنی اجازت دی ہے کہ انھیں تادیباً قید بے مشقت کی سزا دی جا سکتی ہے۔ امام ابو یوسف لکھتے ہیں ولکن یرفق بھم ویحبسون حتی یودوا ما علیھم[۴]

جو ذمی محتاج اور فقیر ہو جائیں انھیں صرف جزیہ سے معاف ہی نہیں کیا جائیگا بلکہ ان کے لئے اسلامی خزانے سے وظائف بھی مقرر کئے جائیں گے۔ حضرت خالدؓ نے اہل حیرہ کو جو امان نامہ لکھ کر دیا تھا اس میں وہ لکھتے ہیں:-

وجعلت لھم ایما شیخ ضعف عن العمل میں نے ان کے لئے یہ حق بھی رکھا ہے کہ جو

---

۱؎ کتاب الخراج ص ۸۲

۲؎ کتاب الخراج ص ۷۱

۳؎ ابو داؤد کتاب الخراج باب الفئ والامارہ

۴؎ کتاب الخراج ص ۷۰

او اصابته آفة من الآفات او کان غنیا فافتقر وصار اھل دینه یتصدقون علیه طرحت جزیته وعیل من بیت المال المسلمین ھو وعیاله[۱]

کوئی شخص بڑھاپے کے سبب از کار رفتہ ہو جائے یا اس پر کوئی آفت نازل ہو جائے، یا وہ پہلے مالدار تھا پھر فقیر ہو گیا یہاں تک کہ اس کے ہم مذہب لوگ اس کو صدقہ و خیرات دینے لگے، تو اس کا جزیہ معاف کر دیا جائیگا اور اسے اور اس کے بال بچوں کو مسلمانوں کے بیت المال سے مدد دی جائے گی۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ایک ضعیف العمر ذمی کو بھیک مانگتے دیکھا اور اس سے اس ذلیل حرکت کا سبب دریافت کیا۔ اس نے کہا کہ جزیہ ادا کرنے کے لئے بھیک مانگتا ہوں۔ اس پر آپ نے اس کا جزیہ معاف کر دیا اور اس کے لئے وظیفہ مقرر کیا اور اپنے افسر خزانہ کو لکھا۔ "خدا کی قسم یہ ہرگز انصاف نہیں ہے کہ ہم اس کی جوانی میں اس سے فائدہ اٹھائیں اور بڑھاپے میں اس کو رسوا کریں"[۲]

دمشق کے سفر میں بھی حضرت عمرؓ نے معذور ذمیوں کے لئے امدادی وظائف مقرر کرنے کے احکام جاری کئے تھے[۳]

اگر کوئی ذمی مر جائے اور اس کے حساب میں جزیہ کا بقایا واجب الادا ہو تو وہ اس کے ترکہ سے وصول نہیں کیا جائیگا اور نہ اس کے وارثوں پر اس کا بار ڈالا جائیگا۔ امام ابو یوسف لکھتے ہیں

ان وجبت علیه الجزیة فمات قبل ان توخذ منه او اخذ بعضها وبقی البعض لم یوخذ بذالك ورثته ولم توخذ من ترکته[۴]

اگر کسی ذمی پر جزیہ واجب ہو اور وہ اس کو ادا کرنے سے پہلے مر گیا تو اس کے ورثا سے وہ وصول نہیں کیا جائیگا اور نہ اس کے ترکہ سے لیا جائیگا۔

---

[۱] کتاب الخراج ص ۸۵

[۲] کتاب الخراج ص ۷۲۔ فتح القدیر ج ۴ ص ۳۷۳

[۳] فتوح البلدان للبلاذری طبع یورپ ص ۱۲۹

[۴] کتاب الخراج ص ۷۰۔ المبسوط ج ۱۰ ص ۸۱

**تجارتی ٹیکس** مسلمان تاجروں کی طرح ذمی تاجروں کے اموال تجارت پر بھی ٹیکس لیا جائیگا جبکہ ان کا راس المال ۲۰۰ درہم تک پہنچ جائے یا وہ ۲۰ مثقال سونے کے مالک ہو جائیں[1] اس میں شک نہیں ہے کہ فقہا نے ذمی تاجر پر تجارتی محصول ۵ فیصدی لگایا تھا اور مسلمان تاجر پر ۲½ فیصدی، لیکن یہ فعل کسی نص پر مبنی نہ تھا بلکہ اجتہاد پر مبنی تھا اور دراصل وقتی مصالح اس کے مقتضی تھے۔ اس زمانہ میں مسلمان زیادہ تر ملک کی حفاظت میں مشغول تھے اور تمام تجارت ذمیوں کے ہاتھ میں آگئی تھی۔ اسی لئے مسلمان تاجروں کی ہمت افزائی اور ان کی تجارت کے تحفظ کے لئے ان پر ٹیکس کم کر دیا گیا۔

**فوجی خدمت سے استثنار** ذمی فوجی خدمت سے مستثنیٰ ہیں اور دشمن سے ملک کی حفاظت کرنا تنہا مسلمانوں کے فرائض میں داخل کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک اصول پر جو ریاست قائم ہو اس کی حفاظت کے لئے وہی لوگ لڑ سکتے ہیں اور انہی کو اس کے لئے لڑنا چاہیئے جو اس اصول کو حق مانتے ہوں۔ پھر لڑائی میں اپنے اصول اور حدود کی پابندی بھی وہی کر سکتے ہیں۔ دوسرے لوگ اگر اس ریاست کی حفاظت کے لئے لڑینگے تو محض کرایہ کے سپاہیوں (Mercenaries) کی حیثیت سے لڑیں گے اور اسلام کے مقرر کئے ہوئے اخلاقی حدود کی پابندی نہ کر سکینگے۔ اسی لئے اسلام نے ذمیوں کو فوجی خدمت سے مستثنیٰ کر کے ان پر صرف یہ فرض عائد کیا ہے کہ وہ ملکی حفاظت کے مصارف میں اپنا حصہ ادا کر دیں۔ جزیہ کی اصل حیثیت یہی ہے۔ وہ نہ صرف اطاعت کا نشان ہے، بلکہ فوجی خدمت سے استثنار کا بدل اور ملکی حفاظت کا معاوضہ بھی ہے۔ چنانچہ جزیہ صرف قابل جنگ مردوں ہی پر لگایا جاتا ہے، اور اگر مسلمان کسی وقت حفاظت سے قاصر ہوں تو جزیہ واپس کر دیا جاتا ہے[2] جنگ یرموک کے موقع پر جب

---

[1] کتاب الخراج ص ۲۰۔ مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ آج بھی ٹیکس عائد کرنے کے لئے یہی نصاب رکھا جائے۔ یہ نصاب اس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے تھا

[2] اس مسئلے پر مفصل بحث کے لئے ملاحظہ ہو مبسوط ج ۱۰ ص ۷۹-۸۰، ہدایہ کتاب السیر فصل فی کیفیتہ قسمۃ الغنائم و باب الجزیہ و فتح القدیر ج ۴ ص ۲۸-۳۲۷ و ص ۷۰-۳۶۹

(باقی صفحہ ۱۳۱ پر)

رومیوں نے مسلمانوں کے مقابلہ میں ایک زبردست فوج جمع کی اور مسلمانوں کو شام کے تمام مفتوحہ علاقوں کو چھوڑ کر ایک مرکز پر اپنی طاقت سمٹنی پڑی تو حضرت ابوعبیدہ نے اپنے امراء کو لکھا کہ جو کچھ جزیہ و خراج تم نے ذمیوں سے وصول کیا ہے انھیں واپس کردو اور ان سے کہو کہ "اب ہم تمہاری حفاظت سے قاصر ہیں اس لئے ہم نے جو مال تمہاری حفاظت کے معاوضہ میں وصول کیا تھا اسے واپس کرتے ہیں۔[۱]" اس حکم کے مطابق تمام امراء فوج نے جمع شدہ رقوم واپس کردیں۔ بلاذری اس موقع پر غیر مسلم رعایا کے جذبات کا حال لکھتا ہے کہ جب مسلمانوں نے حمص میں جزیہ کی رقم واپس کی تو وہاں کے باشندوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ "تمہاری حکومت اور انصاف پسندی ہم کو اُس ظلم و ستم سے زیادہ محبوب ہے جس میں ہم مبتلا تھے۔ اب ہم ہرقل کے عامل کو اپنے شہر میں ہرگز گھسنے نہ دیں گے تاوقتیکہ لڑکر مغلوب نہ ہو جائیں۔"[۲]

**فقہاء اسلام کی حمایت** یہ ہیں اس قانون کی تفصیلات جو صدر اوّل میں غیر مسلم رعایا کے حقوق و فرائض سے متعلق بنایا گیا تھا۔ اب آگے بڑھنے سے پہلے ہم یہ بھی بتا دینا چاہتے ہیں کہ خلفاء راشدین

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۰) اگر کسی بیرونی حملہ کے موقع پر ملک کے غیر مسلم باشندے مدافعت کے لئے اپنی خدمات بطور خود پیش کریں تو ہم ان کی اس پیش کش کو قبول کر سکتے ہیں، لیکن اس صورت میں ان کا جزیہ ساقط کرنا ہوگا۔

یہاں یہ تصریح کر دینا بھی فائدے سے خالی نہ ہوگا کہ جزیہ کے نام سے غیر مسلموں کو جو وحشت ہوتی ہے وہ محض اس پروپیگنڈے کا نتیجہ ہے جو ایک مدت سے اسلام کے مخالفین کرتے رہے ہیں۔ ورنہ حقیقت میں اس توحش کے لئے کوئی بنیاد نہیں ہے۔ جزیہ دراصل اس تحفظ کا معاوضہ ہے جو غیر مسلموں کو اسلامی حکومت کے تحت میسر آتا ہے۔ یہ معاوضہ صرف صاحب استطاعت اور بالغ مردوں سے لیا جاتا ہے۔ اسے اگر اسلام قبول نہ کرنے کا جرمانہ قرار دیا جائے تو پھر اس زکوٰۃ کو کیا کہا جائے گا جو صاحب استطاعت مسلمان مردوں ہی سے نہیں بلکہ عورتوں سے بھی لی جاتی ہے اور جس کی شرح جزیہ کی شرح سے بہت زیادہ ہے۔ کیا وہ اسلام قبول کرنے کا جرمانہ ہے؟

حاشیہ صفحہ ہذا) [۱] کتاب الخراج ص ۱۱۱ [۲] فتوح البلدان طبع یورپ ص ۱۳۷

کے بعد بادشاہی دور میں جب کبھی ذمیوں کے ساتھ بے انصافی کی گئی تو وہ فقہاء اسلام ہی کا گروہ تھا جو آگے بڑھ کر ان کی حمایت کے لئے کھڑا ہو گیا اور متفق ہو کر ان کا پشت پناہ بنا۔ تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ ولید بن عبدالملک اموی نے دمشق کے کنیسۂ یوحنا کو زبردستی عیسائیوں سے چھین کر مسجد میں شامل کر لیا تھا۔ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز تخت خلافت پر متمکن ہوئے اور عیسائیوں نے ان سے اس ظلم کی شکایت کی تو انھوں نے اپنے عامل کو لکھا کہ مسجد کا جتنا حصّہ گرجا کی زمین پر تعمیر کیا گیا ہے اسے منہدم کر کے عیسائیوں کے حوالہ کر دو۔[1]

ولید بن یزید نے رومی حملہ کے خوف سے قبرس کے ذمی باشندوں کو جلاوطن کر کے شام میں آباد کیا۔ فقہائے اسلام اور عام مسلمان اس پر سخت ناراض ہوئے اور انہوں نے اس کو گناہِ عظیم سمجھا۔ پھر جب یزید بن ولید نے انھیں دوبارہ قبرس میں لے جا کر آباد کر دیا تو اس کی عام طور پر تحسین کی گئی اور کہا گیا کہ یہی انصاف کا تقاضا ہے۔ اسمٰعیل بن عیاش کا بیان ہے کہ:۔

فاستفظع ذالك المسلمون واستعظمه الفقهاء فلمّا ولی یزید بن ولید بن عبد الملك ردهم الی قبرص فاستحسن المسلمون ذالك من فعله ورأوه عدلاً۔[2]

مسلمانوں نے اس کی اس حرکت سے بیزاری ظاہر کی اور فقہاء نے اس کو گناہ سمجھا۔ پھر جب یزید بن ولید خلیفہ ہوا اور اس نے ان کو قبرس کی طرف پھر لوٹا دیا تو مسلمانوں نے اس کو پسند کیا اور اسے عدل و انصاف سمجھا۔

بلاذری کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ جبل لبنان کے باشندوں میں سے ایک گروہ نے بغاوت کر دی۔ اس پر صالح بن علی بن عبداللہ نے ان کی سرکوبی کے لئے ایک فوج بھیجی اور اس نے ان کے ہتھیار اٹھانے والے مردوں کو قتل کر دیا اور باقی لوگوں میں سے ایک جماعت کو جلاوطن کر دیا اور ایک جماعت کو وہیں آباد رہنے دیا۔ امام اوزاعی اس زمانے میں زندہ تھے۔ انھوں نے صالح کو اس ظلم پر سخت تنبیہ کی اور

[1] فتوح البلدان مطبوعہ یورپ ص ۱۳۲۔

[2] فتوح البلدان ص ۱۵۶۔

ایک طویل خط لکھا جس کے چند فقرے یہ ہیں :-

"جبل لبنان کے اہل ذمہ کی جلاوطنی کا حال تم کو معلوم ہے۔ ان میں بعض ایسے لوگ بھی تھے جنھوں نے بغاوت کرنے والوں کے ساتھ کوئی حصہ نہیں لیا تھا، مگر باوجود اس کے تم نے کچھ کو قتل کیا اور کچھ لوگوں کو ان کی بستیوں کی طرف واپس بھیجدیا۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ عام لوگوں کو بعض خاص لوگوں کے جرم کی سزا کیونکر دی جا سکتی ہے اور کس بنا پر ان کے گھروں اور ان کی جائدادوں سے انہیں بے دخل کیا جا سکتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى۔ اور یہ ایک واجب التعمیل حکم ہے۔ تمہارے لئے بہترین نصیحت یہ ہے کہ تم رسول اللہ کے اس ارشاد کو یاد رکھو کہ "جو کوئی کسی معاہد پر ظلم کرے گا اور اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بار ڈالے گا اس کے خلاف میں خود مدعی ہونگا"[1]

یہ اور ایسی ہی بے شمار مثالیں تاریخ میں ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء اسلام نے ہمیشہ اہل ذمہ کے حقوق کی حمایت کی ہے اور اگر کبھی کسی امیر یا بادشاہ نے ان پر جبر و ظلم کیا بھی ہے تو جو لوگ اس کے عہد میں اسلامی قانون کے پاسبان رہے ہیں وہ کبھی اس پر ملامت کرنے سے باز نہیں رہے۔

**زائد حقوق جو دیئے جا سکتے ہیں** یہاں تک ہم نے اہل الذمہ کے ان حقوق کا ذکر کیا ہے جو شریعت میں ان کے لئے مقرر ہیں اور جنہیں لازماً ہر اسلامی دستور میں شامل ہونا چاہیئے۔ اب ہم مختصر طور پر یہ بتائیں گے کہ موجودہ زمانہ میں ایک اسلامی ریاست اپنے غیر مسلم شہریوں کو اصول اسلام کے مطابق مزید کیا حقوق دے سکتی ہے۔

**نمائندگی اور رائے دہی** سب سے پہلے انتخابات کے سوال کو لیجئے۔ اسلامی حکومت چونکہ ایک اصولی حکومت ہے اس لئے وہ غیر مسلموں کے حق رائے دہی کے معاملہ میں ان فریب کاریوں سے

[1] فتوح البلدان ص ۱۶۹

کام نہیں لے سکتی جو بے دین قومی جمہوریتیں اقلیتوں کی رائے دہی کے معاملہ میں برتتی ہیں۔ اس کے رئیس حکومت کا منصب یہ ہے کہ وہ اصول اسلام کے مطابق ریاست کا نظام چلائے، اور مجلس شوریٰ کا کوئی کام اس کے سوا نہیں ہے کہ وہ اس اصولی نظام کو چلانے میں رئیس حکومت کا ہاتھ بٹائے، لہٰذا جو لوگ سرے سے اصول اسلام کو مانتے ہی نہ ہوں وہ نہ خود رئیس حکومت یا رکن شوریٰ بن سکتے ہیں اور نہ ان مناصب کے انتخاب میں رائے دہندہ کی حیثیت سے ان کا حصہ لینا کسی طرح معقول ہو سکتا ہے۔ البتہ انہیں رائے دہی اور رکنیت، دونوں چیزوں کے حقوق، بلدیات اور مقامی مجالس (Local Bodies) میں دئے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ ان مجالس میں نظامِ زندگی زیر بحث نہیں ہوتا بلکہ صرف مقامی ضروریات کا انتظام ملحوظ خاطر ہوتا ہے۔

**تہذیبی خود اختیاری** اس کے ساتھ یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ غیر مسلم گروہوں کے لئے ایک الگ نمائندہ مجلس یا اسمبلی بنا دی جائے تاکہ وہ اپنی اجتماعی ضروریات بھی اس کے ذریعہ سے پوری کریں، اور ملکی انتظام کے معاملہ میں بھی اپنا نقطۂ نظر پیش کر سکیں۔ اس مجلس کی رکنیت اور رائے دہی غیر مسلموں کے لئے مخصوص ہوگی۔ اور اس میں ان کو پوری آزادی دی جائیگی۔ اس مجلس کے ذریعہ سے

۱۔ وہ اپنے شخصی معاملات کی حد تک قوانین تجویز کرنے اور سابق قوانین میں اصلاح و ترمیم کرنے کے مجاز ہونگے، اور اس طرح کی تمام تجاویز رئیس حکومت کی منظوری سے قانون بن سکینگی۔

۲۔ وہ حکومت کے نظم و نسق اور مجلس شوریٰ کے فیصلوں کے متعلق اپنی شکایات، اعتراضات مشورے اور تجاویز پوری آزادی کے ساتھ پیش کر سکینگے اور حکومت انصاف کے ساتھ ان پر غور کریگی۔

۳۔ وہ اپنے گروہ کے معاملات اور عام ملکی معاملات کے متعلق سوالات بھی کر سکینگے، اور حکومت کا ایک نمائندہ ان کے جوابات دینے کے لئے موجود رہے گا۔

**آزادی تحریر و تقریر وغیرہ** غیر مسلموں کو اس ریاست میں تحریر و تقریر اور رائے و ضمیر اور اجتماع کی وہی آزادی حاصل ہوگی جو خود مسلمانوں کو حاصل ہوگی، اور اس معاملہ میں جو قانونی پابندیاں مسلمانوں کے لئے ہونگی وہی ان کے لئے بھی ہونگی۔

قانون کی حدود میں رہتے ہوئے وہ حکومت پر، اس کے حکام پر اور خود رئیس حکومت پر آزادانہ تنقید کر سکینگے۔

انہیں اسلام پر بھی تنقید کا اتنا ہی حق حاصل ہوگا جتنا مسلمانوں کو ان کے مذہب پر تنقید کا حق ہوگا۔

وہ اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرنے میں پوری طرح آزاد ہونگے اور اگر ایک غیر اسلامی مذہب کا پیرو کسی دوسرے غیر اسلامی مذہب کو قبول کرلے تو حکومت کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ البتہ کوئی مسلمان اسلامی ریاست کے حدود میں رہتے ہوئے اپنا دین بدلنے کا مجاز نہ ہوگا۔ لیکن ارتداد کی صورت میں مواخذہ جو کچھ بھی ہوگا خود مرتد سے ہوگا نہ کہ اس غیر مسلم سے جس کا اثر قبول کرکے وہ مرتد ہوا ہے۔

انھیں اپنے ضمیر کے خلاف کوئی عقیدہ یا عمل اختیار کرنے پر مجبور نہ کیا جائیگا، اور اپنے ضمیر کے مطابق وہ ایسے سب کام کرنے کے مجاز ہونگے جو قانون ملکی سے متصادم نہ ہوتے ہوں۔

**تعلیم** | انہیں نظام تعلیم تو وہی قبول کرنا ہوگا جو ریاست پورے ملک کے لئے بنائیگی، لیکن جہانتک اسلام کی مذہبی تعلیم کا تعلق ہے، اس کے پڑھنے پر وہ مجبور نہ کئے جائینگے۔ انہیں پورا حق ہوگا کہ ملکی درسگاہوں میں، یا خود اپنی مخصوص درسگاہوں میں، اپنے مذہب کی تعلیم کا مستقل انتظام کریں۔

**ملازمتیں** | چند محفوظ مناصب کے سوا وہ تمام ملازمتوں میں داخل ہونے کے حقدار ہوں گے اور اس معاملہ میں ان کے ساتھ کوئی تعصب نہ برتا جائیگا۔ مسلمان اور غیر مسلم، دونوں کے لئے اہلیت کا ایک ہی معیار ہوگا اور اہل آدمیوں کو بلا امتیاز انتخاب کیا جائیگا۔

محفوظ مناصب سے مراد ایسے مناصب ہیں جو اسلام کے اصولی نظام میں کلیدی حیثیت رکھتے ہوں۔ ان مناصب کی فہرست کافی غور و خوض کے بعد ماہرین کی ایک جماعت بنا سکتی ہے۔ ہم ایک قاعدۂ کلیہ کے طور پر صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ جن خدمات کا تعلق پالیسیوں کی تشکیل اور محکموں کی رہنمائی سے ہے وہ سب کلیدی اہمیت رکھنے والی خدمات ہیں، اور ایک اصولی نظام میں ایسی خدمات صرف انہی لوگوں کو دی جا سکتی ہیں جو اس کے اصولوں پر اعتقاد رکھتے ہوں۔ ان خدمات کو مستثنیٰ

کرنے کے بعد باقی تمام نظم و نسق میں بڑے سے بڑے عہدوں پر بھی اہل الذمہ اپنی اہلیت کے لحاظ سے مقرر کئے جاسکتے ہیں۔ مثلاً کوئی چیز ان میں سے کسی شخص کے اکاؤنٹنٹ جنرل، یا چیف انجنیر، یا پوسٹ ماسٹر جنرل بنائے جانے میں مانع نہیں ہے۔

اسی طرح فوج میں بھی، صرف جنگی خدمات محفوظ ملازمتوں میں شمار ہونگی۔ باقی دوسرے فوجی شعبے جن کا تعلق براہ راست حرب و ضرب سے نہیں ہے، ذمیوں کے لئے کھلے ہونگے۔

**معاشی کاروبار اور پیشے** صنعت و حرفت، تجارت، زراعت اور دوسرے تمام پیشوں کے دروازے غیر مسلموں کے لئے بالکل کھلے رہیں گے۔ ان میں نہ مسلمانوں کو ایسی کوئی رعایت حاصل ہوگی جو غیر مسلموں کو نہ حاصل ہو، اور نہ غیر مسلموں پر کوئی ایسی پابندی عائد کی جاسکے گی جو مسلمانوں کے لئے نہ ہو۔ ہر شہری کو خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، معاشی میدان میں جدوجہد کا مساویانہ حق ہوگا۔

**غیر مسلموں کے لئے تحفظ کی واحد صورت** آخر میں اس امر کی توضیح بھی ضروری ہے کہ ایک اسلامی حکومت اپنے غیر مسلم شہریوں کو جو حقوق بھی دیگی بلا اس لحاظ کے دیگی کہ کوئی ہمسایہ غیر مسلم حکومت اپنی مسلمان رعایا کو کیا حقوق دیتی ہے، بلکہ کچھ دیتی بھی ہے یا نہیں۔ ہم اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ مسلمان کافروں کو دیکھ دیکھ کر اپنا لائحہ عمل بنائے، وہ انصاف کریں تو یہ بھی کرے، اور وہ ظلم کرنے لگیں تو یہ بھی ظلم پر اتر آئے۔ ہم مسلمان ہونے کی حیثیت سے ایک قطعی اور واضح اصول کے پیرو ہیں اور ہمیں بہرحال اپنے حدود اختیار میں اپنے اصولوں پر ہی عمل کرنا ہے۔ جو ہم دیں گے نیک نیتی کے ساتھ دینگے، صرف کاغذ ہی پر نہیں بلکہ زمین پر بھی دینگے، اور اپنی لی ہوئی ذمہ داریوں کو انصاف اور سچائی کے ساتھ ادا کرینگے۔

اس کے بعد یہ بیان کرنے کی حاجت نہیں رہتی کہ پاکستان میں غیر مسلموں کے لئے تحفظ، امن اور خوشحالی کی اس سے بڑھ کر، بلکہ درحقیقت اس کے سوا کوئی قابل اعتماد ضمانت نہیں ہوسکتی کہ یہاں ایک خالص اسلامی حکومت قائم ہوجائے۔ صرف اسی صورت میں ظلم اور جوابی ظلم کا وہ شیطانی چکر ٹوٹ سکتا ہے جو بدقسمتی سے ہندوستان میں چل رہا ہے۔ صرف اسی صورت میں

پاکستان بھی انصاف کا گھر بن سکتا ہے اور انڈین یونین کو بھی انصاف کا راستہ نظر آ سکتا ہے۔

افسوس ہے کہ غیر مسلم ایک مدت سے اسلام کی غلط تعبیریں سنتے اور دیکھتے چلے آ رہے ہیں، اس لئے وہ اسلامی حکومت کا نام سن کر گھبراتے ہیں، اور ان میں سے بعض لوگ یہ شور مچانے لگتے ہیں کہ یہاں بھی انڈین یونین کی طرح بے دین جمہوریت قائم ہونی چاہیئے۔ مگر ہم کو تعجب ہے کہ وہ خود ہی اصرار کر کے یہاں اس چیز کا تجربہ کرنا چاہتے ہیں جس کا مزہ آج انڈین یونین کے مسلمان چکھ رہے ہیں۔ کیا واقعی وہ کوئی خوشگوار حالت ہے جس کی تمنا کی جا سکتی ہو؟ کیا اس کے بجائے ایک ایسے نظام کا تجربہ کرنا زیادہ بہتر نہ ہوگا جس کی بنیاد خدا ترسی اور دیانت اور مستقل اصولوں کی پیروی پر ہو؟

---

# ہماری نئی زیر طبع مطبوعات

۱۔ **سود** ۔ اس کتاب میں مدیر ترجمان نے سود، بینکنگ، انشورنس وغیرہ کی حقیقت و ماہیت پر بحث کی ہے اور ان سے متعلقہ معاشی نظریات اور مسائل پر اسلامی نقطۂ نظر سے تنقید کی ہے۔
ضخامت ۲۰۰ صفحات، قیمت ؎۲

۲۔ **الجہاد فی الاسلام** ۔ یہ کتاب عرصے سے نایاب اور غیر مطبوع تھی۔ اب اسے دوبارہ چھپوایا جا رہا ہے۔

۳۔ **منہاج الانقلاب الاسلامی** "یہ اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے" کا عربی ترجمہ ہے جو مولانا مسعود عالم ندوی نے کیا ہے۔ ضخامت ۴۵ صفحات، قیمت عہ/

۴۔ **الدین القیم** ۔ یہ دین حق کا عربی ترجمہ ہے جو مترجم موصوف نے ہی کیا ہے۔ ضخامت ۴۵ صفحات قیمت عہ/

۵۔ **نظریۃ الاسلام السیاسیۃ** ۔ اسلام کے نظریہ سیاسی کا عربی ترجمہ جو چھپ چکا ہے۔ ضخامت ۴۵ صفحات قیمت عہ/

۶۔ **تفہیمات** ۔ بھی دوبارہ طبع ہو چکی ہے۔ قیمت ؎

## مکتبہ جماعت اسلامی، اچھرہ، لاہور